ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.3 2023

خالدہ حسین کی افسانوی نثر میں قرآنی واقعات و تلمیحات کا جائزہ
(وجودی تناظر میں)

محمد ابوذر اسلم
پی ایچ ڈی اردو اسکالر، شعبہ اردو، ادارہ زبان و ادبیاتِ اردو
پنجاب یونیورسٹی، لاہور
ڈاکٹر محمد فخر الحق نوری
پروفیسر (ریٹائرڈ) شعبہ اردو، ادارہ زبان و ادبیاتِ اردو
پنجاب یونیورسٹی، لاہور

Abstract:
Intrer textuality is a universal-phenomena now a days. Poets, authors and philosphers use it to coment their own point of view. Keeping in mind, value of inter texualuality Khalida Hussain also used it to comprehend her message for the betterment of the society. We observe in the fictions of our writer manifestations of intertexuality from Holy Quran, Hadith, philosophica discussions and other sources of wisdom and knowledge. In this reseach paper, we have tried to highlight the usage of this technique by her way of witings.
Key Words: Intertextuality, Fictions, Philosophical discussions, Technique, Manifestations.

خالدہ حسین نے علامت کو نئے انداز میں استعمال میں لا کر اپنی انفرادیت منوائی ہے۔ ان کے ہاں کردار متوسط طبقے سے تعلق رکھتے ہیں اور زندگی کے آلام و مصائب کا شکار ہیں۔ وہ وجود اور گرد و پیش سے متعلق ایسے حقائق کی تلاش میں سرگرداں نظر آتے ہیں، جن کی کھوج میں عمریں بیت جاتی ہیں۔ یہی کھوج خالدہ کے افسانوں میں طیش والم، سماجی غم و غصے اور سیاسی تنفر کی فضا کو تشکیل دیتے ہیں۔ اس فضا میں ان کے کردار اپنی پہچان کو کھو کر ہجوم میں لاپتہ ہو جاتے ہیں۔ گم شدہ شناخت، بے نامی اور دھندلے نقوش کے ساتھ یہ کردار لاشعوری طور پر ایسی حسیات کا مظاہرہ کرتے ہیں، جو قاری میں نامساعد حالات کی کربناکی کا احساس شدت سے موجزن کر دیتے ہیں۔

عام تاثر ہے کہ خالدہ کے افسانوں میں انتظار حسین، رشید امجد، قرۃ العین حیدر، اسد محمد خاں اور انور سجاد کے اسلوب کی جھلک نمایاں ہے۔ تاہم خالدہ حسین کی انفرادیت یہ ہے کہ انھوں نے اپنے عہد کے سیاسی و سماجی حالات کو افسانے کا حصہ بنانے کے ساتھ مذہبی اور تہذیبی واقعات و تلمیحات جیسے نازک موضوعات کو بھی سادہ اور آسان انداز میں افسانے میں سمو کر تاریخ کا حصہ بنا دیا ہے۔ خالدہ نے مختلف قرآنی آیات اور احادیث مبارکہ میں آنے والی تلمیحات و استعارات سے اخلاقی اصلاح اخذ کر کے معاشرتی اصلاح کی کوشش کی ہے۔ جسے ہم نص نگاری کے نام سے بھی موسوم کر سکتے ہیں۔ قرآنی واقعات و تلمیحات کو کہانی کی بنیاد بنانا "نص" کہلاتا ہے۔ "نص" عربی زبان کا لفظ ہے۔ جس کے لغوی معنی ہر صاف اور واضح بات، کھود کھود کر پوچھنے کے ہیں۔ یعنی اس طرح پوچھنا کہ مفہوم اپنی تمام تر باریکیوں کے ساتھ واضح ہو جائے۔ فرہنگِ آصفیہ میں "نص" کی تعریف ان الفاظ میں ملتی ہے:

> "قرآنِ شریف کی وہ آیتیں جو منشابہ امور کو ظاہر کرتی ہیں کہ یہ اچھا ہے اور یہ بُرا۔ کبھی ان آیتوں پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے جنکے معنوں ظاہر و صریح ہوں۔"(۱)

انگریزی میں اس کے لیے Inter-text-aulity کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.3 2023

"Inter-text-aulity:

The relation between texts, especially litrary texts."(2)

اس کی مثال میں خالدہ کا افسانہ "ہزار پایہ" دیکھا جاسکتا ہے جس کی بنیاد قرآنی واقعے پر رکھی گئی ہے:

"وَ عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓىِٕكَةِۙ-فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِیْ بِاَسْمَآءِ هٰۤؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ"البقرہ،۳۱

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ نے آدم کو تمام اشیاء کے نام سکھادیے پھر ان سب اشیاء کو فرشتوں کے سامنے پیش کر کے فرمایا: اگر تم سچے ہو تو ان کے نام تو بتاؤ۔

افسانے کا کبیری کردار اپنے وجود میں پلنے والے ہزار پائے (Millipide) کی وجہ سے اضطرابی کیفیت کا شکار رہتا ہے۔ یہی اضطرابی کیفیت اسے لکھنے پر مجبور کرتی ہے، تاہم لکھنے کے بعد اسے تحریر محض الفاظ کا مجموعہ معلوم ہوتی ہے، جو بے ربط اور بے معنی ہے ۔ جس سے کبیری کردار اثبات اور نفی کے مختلف سوالات میں الجھ کر رہ جاتا ہے جیسے: الفاظ سے انسان کے باطن کا اظہار ہو سکتا ہے یا نہیں؛ الفاظ اور اشیاء میں کوئی رشتہ ہے یا نہیں؛ زبان طبقاتی تقسیم کا سبب کیوں ہے!؛ زبان سے کوئی راہنمائی حاصل ہوئی یا یہ محض الفاظ کا مجموعہ ہے؟ کبیری کردار کی یہ کش مکش دراصل وجودی رویے کی عکاس ہے:

""ہزار پایہ 'میں ہر اثبات کی نفی وجودی شواہد کے وسیلہ سے اس طرح ہوتی ہے گویا کہانی کا اصولِ تعمیر لا تشکیلی ہے۔"(۳)

الفاظ کا تعلق دراصل انسان کی پہچان سے ہے۔ کیوں کہ الفاظ اور اشیاء کے تعلق سے ہی انسان اشرف المخلوقات کہلایا۔ خالدہ حسین نے درج بالا قرآنی واقعے کو بنیاد بنا کر کہانی میں وجودی رنگ پیدا کیا ہے۔ کبیری کردار کا اشیا کے نام بھولنا دراصل پہچان کے گم ہونے کا استعارہ ہے، جو وجودیت کا اہم موضوع ہے۔ ذیل میں مرکزی کردار اسی سانحے سے دوچار ہے:

"۔۔۔۔اس لیے اب اکثر چیزوں کے نام میری یاداشت نے ٹھکرا دئی۔ اب میں کم سے کم ناموں کے ساتھ رہ رہا تھا۔ کبھی کبھی تو بہت ضروری چیزوں کے نام بھی میری زبان پر نہ آتے۔۔۔۔"(۴)

اثبات اور نفی کی کش مکش کا اظہار ان کے افسانوی مجموعے "تریاق" میں بھی دیکھی جاسکتی ہے۔ اس افسانے میں اس حدیث نبوی کی وضاحت کی گئی ہے:

"الحسدیاکل الحسنات کماتاکل النار الحطب"ابو داؤد،۳۹۰۳

ترجمہ: بے شک حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑیوں کو جلا کر خاکستر کر دیتی ہے۔

افسانے کا مرکزی کردار خود احتسابی کی کش مکش کا شکار ہے۔ اس کا ضمیر اسے اس بات پر اکساتا ہے کہ وہ دو ایسے افعال تلاش کرلے، جن میں ایک، عمل کی نفی کرتا ہو جبکہ دوسرا اثبات کرے۔ یہاں تک کہ دونوں ایک دوسرے کا تریاق ثابت ہوں۔ اس کے لیے وہ (ضمیر) اسے اس بات پر مائل کرتا ہے کہ وہ کسی ایسے شخص کے لیے اچھے جذبات پیدا کرے جو اسے برا لگتا ہو اور اس سے وہ حسد جیسے جذبے کو محسوس کرتا ہو۔ لہٰذا مرکزی کردار کسی ایسے شخص کے لیے ہی دعا کرتا ہے، جو اسے اچھا نہیں لگتا۔ لیکن ایسا کرنے سے اسے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے دعا کا ہر لفظ آبلہ بن کر، اس کے وجود کو تڑپا رہا ہو۔ جب کہ اس کا ضمیر اسے باور کراتا ہے کہ یہ آبلے نہیں بلکہ حسد ہے۔ حسد اس کے دل میں سے ختم نہ ہو سکا اور اس نے جڑیں پکڑ لیں۔ اس کی وجہ نام بتائی گئی۔ پھر نام سے نجات پانے کے لیے اس نے بے نامی اختیار کی۔ کیونکہ نام کا تریاق بے نامی ہی ہو سکتی ہے۔ افسانے کا عنوان "تریاق" ہے لہٰذا تریاق وہ زہر کش دوا ہے جو زہر ہی سے حاصل ہوتی ہے، نام سے نجات حاصل کر کے مرکزی کردار بے نامی اختیار کرتا ہے تو لباس کے طور پر نفی اوڑھ لیتا ہے۔ اب ایک سفر کا آغاز ہوتا ہے جو یوں محسوس ہوتا ہے، جیسے حج کا سفر ہو۔ جگہ جگہ اس سے کارڈ طلب کیے جاتے ہیں، لیکن مرکزی کردار خالی ہاتھ ہوتا ہے۔ پھر پرانے اور بوسیدہ کاغذوں کی آندھی چلتی ہے۔ جو اشارہ ہے دانائی اور حکمت کی باتیں بتانے والوں کا۔ یوں یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ در حقیقت یہ سفر حج کا نہیں بلکہ موت کے بعد کا ہے۔ اصل میں مرکزی کردار کی پہچان یہی ہے۔ بعد ازاں مرکزی کردار خود کو موت کے بعد کی کیفیت میں مبتلا محسوس کرتا ہے وہ خود کو عورت کے روپ میں دیکھتا ہے اور قبر میں ایک الگ دنیا، اس کے لیے باعثِ استعجاب ہوتی ہے۔ وہاں لفظ اور باتیں کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ اگر کسی چیز کو فوقیت دی جاتی ہے تو وہ اعمال ہوتے ہیں۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.3 2023

خالدہ حسین نے افسانے میں سادہ اور انتہائی آسان انداز میں زندگی کی اتنی بڑی حقیقت اور اسلام کا نچوڑ بیان کر کے اپنی موضوعاتی بصیرت کا ثبوت دیا ہے۔ اخلاقی طور پر اس سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ حسد کرنے کی بجائے انسان کو اپنی نیت صاف رکھنی چاہیے اور اعمال صالح ہی آخرت میں کامیابی کی ضمانت قرار دیے جاسکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ حقوق اللہ معاف کر دے گا لیکن حقوق العباد کے لیے معافی کی گنجائش نہیں۔ انسان بعض اوقات اپنے بے حد قریبی دوست احباب یا رشتہ داروں سے حسد میں مبتلا ہو کر اپنی آخرت کھو دیتا ہے۔ جیسا کہ افسانے کی مرکزی کردار کے جذبات کو خالدہ حسین نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے ، ملاحظہ فرمائیں:

"سب سے پہلی بات تو یہ کہ میں حاسد ہوں۔ پس یقیناً ان لوگوں میں شمار ہوتی ہوں جن سے پناہ پکڑنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ اکثر میں نے دیکھا ہے کہ وہ جن کو میں بزعم خود اپنوں میں شمار کرتی چلی آئی تھی۔ ان کی راحت نے مجھے بے حد دکھ پہنچایا اور میں نے چاہا کہ ان کی راحت غم یا کم از کم شکست اور ناکامی بدل جائے۔ پھر میں نے ان کے لیے بڑے بڑے مصائب تصور کیے اور اس سے مجھے بہت سی تسکین ملی۔۔۔۔۔"(۵)

"تریاق" کی طرح اپنے افسانے "شہر پناہ" میں بھی خالدہ حسین نے قرآنِ مجید کی آیت کو اخلاقی سبق بنا کر پیش کیا ہے:

افسانہ "ایک دفعہ کا ذکر ہے" میں بھی قرآنِ پاک کی سورۃ القارعہ کا ترجمہ بطور اخلاقی سبق بیان ہوا ہے۔ جس میں قیامت کے برپا ہونے کا ذکر ہے:

ٱلْقَارِعَةُ ١ مَا ٱلْقَارِعَةُ ٢ وَمَآ أَدْرَىٰكَ مَا ٱلْقَارِعَةُ ٣ يَوْمَ يَكُونُ ٱلنَّاسُ كَٱلْفَرَاشِ ٱلْمَبْثُوثِ ٤ وَتَكُونُ ٱلْجِبَالُ كَٱلْعِهْنِ ٱلْمَنفُوشِ ٥ فَأَمَّا مَن ثَقُلَتْ مَوَٰزِينُهُۥ ٦ فَهُوَ فِى عِيشَةٍ رَّاضِيَةٍ ٧ وَأَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَٰزِينُهُۥ ٨ فَأُمُّهُۥ هَاوِيَةٌ ٩ وَمَآ أَدْرَىٰكَ مَا هِيَهْ ١٠ نَارٌ حَامِيَةٌۢ ١١ القارعہ

ترجمہ: کھڑکھڑانے والی۔ وہ کھڑکھڑانے والی کیا ہے۔ اور آپ کو کیا خبر وہ کھڑکھڑانے والی کیا ہے۔ جس دن لوگ بکھرے ہوئے پروانوں کی طرح ہوں گے۔ اور پہاڑ دھنی ہوئی رنگ دار اون کی طرح۔ جس کے اعمال زیادہ ہوں گے تو وہ عیش میں ہو گا۔ اور جس کے اعمال کم ہوں گے تو اس کا ٹھکانہ جہنم ہو گا۔ اور آپ کو کیا معلوم وہ دہکتی ہوئی آگ ہے۔

اس افسانے میں کہانی سننے اور سنانے والی ایک ہی عورت ہے۔ اس عورت نے پہلا لفظ اپنے قریب ترین شخص سے کہا وہ "کہانی" تھا۔ وہ اسکول جانے لگی تو۔ راستے کی تمام چیزیں اس سے ہم کلام ہونے لگیں۔ پھر اس نے ایک لڑکی کی کہانی پڑھی جو خرگوش کے پیچھے بھاگتے بھاگتے سرنگ کے پاتال میں اتر جاتی ہے۔ تب اس کو لفظ جو رنگین بلبلے نظر آتے تھے۔ صرف بے جان اور کالی لکیریں نظر آتے ہیں۔ پھر اسکول کے ایک ساتھی نے اس کو گردن کٹی شہزادی کی کہانی سنائی۔ جس کی گردن سے ٹپکنے والے خون کا ہر قطرہ دریا میں گر کر یاقوت بن جاتا ہے۔

یہ کسی عورت کی کہانی تھی۔ لیکن اچانک کہانی سنانے والی عورت کی اپنی کہانی بن جاتی ہے، پھر اس کو خیال آتا ہے کہ وہ تو ایک معمولی عورت ہے۔ اس کی گردن سے ٹپکنے والا لہو یاقوت نہیں بن سکتا۔ یوں ایک طویل مدت کے بعد اسے ہر سمت سے اپنے نام کی پکار سنائی دیتی ہے۔ شجر، حجر، چرند پرند سب اس سے دوبارہ کلام کرتے ہیں لیکن فرق صرف اتنا ہوتا ہے، بچپن کے ساتھی اب اس کے ساتھ نہیں تھے۔ بلکہ جرح کرنے والے مدعی بن گئے تھے۔ جن کو جواب دیتے دیتے وہ نڈھال ہو چکی تھی۔

اس مایوسانہ کیفیت میں اس کا واحد سہارا وہ عصا ہے، جس کی مدد سے وہ کہانیاں بنتی ہے مگر عرصہ ہوا، اس عصا کو بھی دیمک چاٹ گئی ہے دیکھیں یہ اقتباس:

"وہ تو جن وانس، سمندروں، ہواؤں، چرند پرند پر کچھ اختیار نہیں رکھتی۔ پھر بھی ایک طویل عرصے سے عصا کے سہارے کھڑی جنات سے وہ عجیب و غریب محل تیار کراتی ہے۔ صدیوں سے ایستادہ۔ اب اس عصا کو دیمک چاٹ رہی ہے، قریب ہے کہ وہ عصا بھربھرا ہو کر گر جائے اور اس کے ساتھ وہ خود بھی اور تب سب پر اس کی موت کا راز کھل جائے۔ محل کی تعمیر کا کام رک جائے۔ نامکمل بے سود۔ لاحاصل۔"(۶)

محولا بالا اقتباس وجودیت کے اس بیان "Existence Precedes Essence" (وجود جوہر پر مقدم ہے) کی عملی تفسیر ہے۔ وہ یوں کہ عصا حقیقتاً دیمک کھا چکی ہے لیکن بظاہر وہ کھڑا نظر آرہا ہے، اسی طرح مرکزی کردار بظاہر جنات کے سامنے بیٹھی ہے لیکن حقیقتاً مر چکی ہے۔ دوسری طرف جنات وجود کو دیکھ کر کام کر رہے ہیں، وجود نہیں رہے گا تو کام بھی بند ہو جائے گا۔

خالدہ حسین کا کمال یہ ہے کہ وہ بڑی سے بڑی حقیقت کو بیان کرتے ہوئے علامتی رنگ دے دیتی ہیں۔ اس افسانے میں انھوں نے لکھاری عورت کا واحد سہارا عصا (یعنی قلم) قرار دیا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ انھوں نے بے جڑ ہو جانے، موت کے خوف اور یاسیت کے کرب کو محسوس کر کے اپنے افسانوں کا موضوع بنایا ہے تو

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.3 2023

غلط نہ ہو گا۔البتہ ایک بات جو انھیں دوسرے افسانہ نگاروں سے ممیز کرتی ہے وہ یہ کہ انھوں نے وجودیت کے الہادی تصورات کو کلمہ پڑھا کر اسلامی افکار کی ترویج کی ہے۔یہی وجہ ہے کے ان کے زیادہ تر موضوعات قرآنی آیات اور احادیثِ مبارکہ سے ماخوذ ہیں۔جو معاشرے میں نئی سوچ پیدا کرنے اور آخرت میں کامیابی کے ضامن ہیں۔ڈاکٹر فتح محمد ملک خالدہ کی اس خوبی کے حوالے سے ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

"خالدہ حسین کے صوفیانہ اندازِ نظر کیسے معمولی چیزوں کو غیر معمولی بنادیا ہے،روزمرہ کی زندگی کے واقعات کتنے تعجب خیز اور پُراسرار نظر آنے لگے ہیں۔فقط لمحہ بھر پہلے جو چیزیں حقیر اور بے معنی تھیں اب کیوں کر نئے اور گہرے مفہوم سے لبریز ہوگئی ہیں۔۔۔"(۷)

افسانہ "آدھی عورت" جو خالدہ حسین کے افسانوی مجموعے "دروازہ" میں شامل ہے کو بھی قرآنِ مجید کی سورۃ العصر کا ترجمہ کہا جاسکتا ہے:

وَٱلۡعَصۡرِ ١ إِنَّ ٱلۡإِنسَٰنَ لَفِي خُسۡرٍ ٢ إِلَّا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ وَعَمِلُواْ ٱلصَّٰلِحَٰتِ وَتَوَاصَوۡاْ بِٱلۡحَقِّ وَتَوَاصَوۡاْ بِٱلصَّبۡرِ ٣ العصر

ترجمہ:زمانے کی قسم!بے شک انسان گھاٹے میں ہے۔مگر جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیے اور حق بات پر قائم رہے اور صبر کرنے کی تلقین کرتے رہے۔

"آدھی عورت" کی عورت جب صبح جاگتی ہے تو اسے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی داہنی آنکھ باہنی آنکھ سے الگ دکھائی دیتی ہے اور دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ سے الگ ہے اور ان کا باہمی رابطہ ٹوٹ چکا ہے اور چاروں نے باہم کام کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ڈاکٹر سہیل احمد خاں اس بارے میں اپنے خیالات ان الفاظ میں پیش کرتے ہیں:

"کافکا کا گریگر سمسا جب ایک سہانی صبح اٹھتا ہے تو بڑے کیڑے سے لال بیگ میں تبدیل ہو چکا ہوتا ہے۔مگر خالدہ حسین کے ہاں حیوانی سطح پر کایا کلپ نہیں ذات کے مختلف عناصر میں دراڑ آجاتی ہے۔"(۸)

افسانہ "آدھی عورت" کی کہانی جہاں ہمیں عورت کی مظلومیت کی داستان سناتی ہے۔وہیں قاری کو انسانی نفسیات کی اتھاہ گہرائیوں میں اتر کر انسانی وجود کی شناخت کا ہنر بھی بتاتی ہے۔اس کہانی میں ابھرنے والے سوالات قاری کو بھی غور و فکر پر مائل کرتے ہیں۔انسانی ذات پر چڑھی گرد آخر کیوں نہیں چھٹتی؟انا کی جنگ میں ہمیشہ مرد کی جیت کیوں؟ سچ کے مقابلے میں آخر جھوٹ ہی کیوں؟اور سب سے آگے رہنے کے لیے تھک ہار کر ہانپ ہانپ جانا،پناہ کی تلاش؛یہ وہ سوالات ہیں جو خالدہ حسین اس افسانے میں اٹھاتی ہیں۔غرض اس افسانے میں زندگی کے بھیدوں کا سرا نہ ملنے کا اضطراب،نارسائی کا کرب،نفسی اور ذہنی کش مکش ہے جس کی وجہ سے مابعد الطبیعاتی سوالات مزید گہرے ہو جاتے ہیں،وجودیت کی خاص علامتیں ہیں۔

"۔۔۔۔خالدہ حسین کے کردار 'نئے معاشرے' کے روایتی 'تنہا آدمی' کی جگہ اس آدمی کا چہرہ سامنے لاتے ہیں جو اپنے آپ میں تنہا ہے۔معاشرہ اور ماحول بکھرا ہوا،ٹوٹا ہوا، fragmented ہو تو ہو،وہ خود بھی اپنے آپ میں اکیلا ہے۔"(۹)

كُلُّ نَفۡسٖ ذَآئِقَةُ ٱلۡمَوۡتِۖ ثُمَّ إِلَيۡنَا تُرۡجَعُونَ (العنکبوت۵۷)

ترجمہ:ہر جان موت کا مزا چکھنے والی ہے،پھر تم ہماری ہی طرف لوٹا دیے جاؤ گے۔

"پاسپورٹ" افسانہ خالدہ حسین کے مجموعے "ہیں خواب میں ہنوز" میں شامل ہے۔اس میں یہ واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ موت کا وقت معین ہے جو ایک سیکنڈ بھی ادھر ادھر نہیں ہو سکتا۔افسانے میں تاؤجی کے پاس ایک آوارہ کتا رہتا ہے جس کے گلے میں پٹہ ڈال کر تاؤجی اسے زنجیر سے باندھ دیتے ہیں یوں آوارہ کتا پالتو ڈبو بن جاتا ہے۔پھر اچانک روڈ ایکسیڈنٹ میں ڈبو کی موت واقع ہو جاتی ہے اور گھر کا ہر شخص ڈبو کی انہونی موت کو تسلیم نہیں کرتا۔مگر تاوجی یہ کہہ کر سب کو تسلی دیتے ہیں کہ موت کا ایک وقت مقرر ہے اور وہ کسی صورت ٹل نہیں سکتا۔

جس طرح ڈبو کا کوئی اتا پتا نہ تھا وہ کہاں سے آیا،اسی طرح سلیم کا بھی کوئی اتا پتا نہ تھا کہ وہ کون ہے اور کہاں سے آیا، لیکن وہ مالی بھی نہ لگتا تھا۔نہ بول چال سے نہ اٹھنے بیٹھنے کے انداز سے۔کہانی کی واحد متکلم اس کی ہر حرکت نوٹ کرتی ہے اور اس کے بارے میں متجسس رہتی ہے کہ وہ جان پائے کہ مالی سلیم حقیقت میں کون ہے۔پھر ایک دن سلیم کی بھانجی مہرن آن پہنچتی ہے اور روتے روتے بتاتی ہے کہ اس کا میاں ہندوستان رہ گیا اور مارا گیا۔پھر مالی سلیم کے خاندان کے بارے میں دریافت

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.3 2023

ہوتا تو مہرن بتاتی ہے کہ ماما کے دو بیٹے ہیں ایک بیمار تھا اور ماما کو بہت یاد کرتا تھا۔ نانی بھی مر گئی اور ممانی بہت روتی ہے۔ سلیم ان کے پاس نہ جا سکا اور نہ ان کو ادھر بلا سکتا تھا۔ کیونکہ اس ملک میں جانے کے لیے پاس پورٹ کا ہونا ضروری تھا۔ جس کا بننا بھی ناممکن تھا مگر ایک دن سلیم یہ کہتا ہے:

"میرا دل بہت اداس ہے میری وہاں ضرورت ہے سب مجھ کو بلاتے ہیں آوازیں مجھے چین نہیں لینے دیتیں۔"(۱۰)

پھر محلے کے لڑکے کی زبانی معلوم ہوتا ہے جو بارڈر تک سلیم کے ساتھ تھا:

"ماما اندھیرے میں سرکا، تابڑ توڑ گولیاں برسیں مگر وہ بھاگتا ہی گیا۔ آرہا ہوں۔ آرہا ہوں۔"(۱۱)

پس سلیم کی موت کا وقت کتے کی طرح متعین تھا۔ افسانے کے آخر میں حضرت سلیمان، ان کے وزیر اور حضرت عزرائیل کا واقعہ بیان ہوا ہے۔ وزیر کو موت نے پکارا وہ خود اس جزیرے تک پہنچا، جہاں حضرتِ عزرائیل نے وزیر کی روح قبض کرنی تھی۔ ڈبو کو موت نے پکارا وہ خود زنجیر توڑ کر مقررہ وقت پر مقررہ جگہ پہنچا اور یہی حال سلیم کا تھا۔

ان واقعات سے خالدہ حسین نے یہی سبق دیا ہے کہ "کل نفس ذائقۃ الموت"۔ اس افسانے میں موت کی حقیقت بتا کر انسان کو عمل کی ترغیب دی گئی ہے۔ وجودیت کے علم برداروں کے لیے وجود جوہر سے پہلے ہے۔ اس نظریے کے تحت وہ شخصی خود غرضی کو ابھارتے ہیں۔ اس کے برعکس خالدہ حسین نے فرد کی شخصی خود غرضی کو مذہبی کلمہ پڑھا کر انسان کو اس طرف مائل کرنے کی کوشش کی ہے کہ ہر انسان فانی ہے، موت آنے سے پہلے اپنے اعمال کو اس قابل کر لے کہ روز قیامت ہونے والے امتحان میں کامیابی حاصل کر سکے۔ ہر انسان کو اس امتحان میں کامیاب ہونے کے لیے اتنا خود غرض ہونا چاہیے، جتنا الحادی قسم کے وجودی فکر کے حامل دنیاوی اشخاص ہیں۔ اس حقیقت کا التزام افسانہ "فشار الدم" میں ان الفاظ میں ملتا ہے:

"دراصل آج تک یہی سمجھ نہ آیا تھا کہ سمت کا تعین ہوتا کس طرح ہے۔ اپنا رخ بدل لو ساری سمتیں الٹ جاتی ہیں۔"(۱۲)

خالدہ حسین کے انھیں خیالات کا غماز افسانہ "فشار الدم" ہے۔ جو ان کے مجموعے "ہیں خواب میں ہنوز" میں ہی شامل ہے۔ اس میں یوم حساب کے خوف کا بیان ہوا ہے۔ کہانی کے شروع میں کسی مہمان کی آمد کا ماحول دکھایا گیا ہے۔ بات آگے بڑھتی ہے اور قیامت کے دن حساب کتاب کے ہونے کا خوف کردار پر طاری نظر آتا ہے، سیاست پر گفتگو کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ خالدہ کے بہت سے دوسرے افسانوں میں بھی مرکزی کردار جو کہ ایک ادھیڑ عمر عورت ہے کو سمت کا تعین نہ کر سکنے کا مسلہ درپیش ہے۔ ماضی پرستی یا ماضی کی یادیں بھی اس کردار کا پیچھا نہیں چھوڑتیں۔ کبھی اسے ماضی کا وہ گھر یاد آتا ہے جس کے کالے گیٹ کے پاس ایک امرود کا درخت ہوتا تھا۔ ان امرودوں میں کیڑے سفید دھاگوں کی طرح کلبلاتے نظر آتے تھے اور کبھی وہ ماضی کے اس گھر کو یاد کرتی ہے، جس کی اوپر والی منزل کے ایک کمرے کی کھڑکی سے وہ بڈھی باجی کی حرکات و سکنات نوٹ کیا کرتی تھی اور آج اس کو اپنا آپ بوڑھی باجی کی طرح لگتا تھا، جس کے سفید بالوں کی دو چوٹیاں کانوں کے اوپر جھولتی رہتی تھیں اور اس کے سفید بازوؤں کا گوشت لٹکتا محسوس ہوتا تھا اور بچپن میں کھیلا جانے والا کیڑی کاڑلے کا کھیل پوری زندگی کا کھیل بن گیا تھا۔

دراصل "فشار الدم" میں زندگی کیا ہے! اور اس کی حقیقت کیا ہے! کو واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ بچپن سے جوانی اور جوانی سے بڑھاپا، اس افسانے کا بنیادی موضوع ہے۔ بچپن سے جوانی تک کے مرحلے کو دھند کے دیو قامت پہاڑ کہا گیا ہے۔ جوانی کو آبشار کے گرنے کی آواز اور بڑھاپے کو بگولے اڑاتا میدان کہا گیا ہے۔ غرض یہ انسانی زندگی کی حقیقت کی خوب صورت ترجمانی ہے۔ دیکھیں اقتباس:

> "پوری کائنات ایک سیاہ خول ہے جس میں مشرق تا مغرب شور بھرا ہوا ہے شور۔ بھنبھناہٹ جو سینے پر پہنچ کر سیسہ بن جاتی ہے۔ دل کے اندر اتر جاتی ہے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ ہم کچھ نہ سوچیں، صرف عمل، عمل بغیر سوچ کے۔ فرمایا حضرتِ عائشہ نے کاش میں درخت ہوتی کہ روز محشر کے خوف سے آزاد ہوتی۔ اور سب نیکوں اور سمجھداروں نے چاہا کہ وہ پھول، پتے، درخت، گھاس، نباتات ہوتے۔ بس وہ نہ ہوتے جو ہیں۔"(۱۳)

افسانہ "طلسم ہوش ربا" بھی خالدہ حسین کے مجموعے "ہیں خواب میں ہنوز" میں شامل ہے۔ اس میں حضرت موسیٰ کے جادوگروں کے سامنے عصا ڈالنے کا ذکر ملتا ہے۔ اسی طرح خالدہ حسین نے اپنے افسانوں میں بعض ایسی تلمیحات کو بھی استعمال کیا ہے جن میں انبیا کرام کے قصص کی طرف اشارہ ملتا ہے۔ جیسے

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.3 2023

"سقوط" میں یاجوج ماجوج، "مکڑی" میں کوہ جودی "پاسپورٹ" میں حضرتِ سلیمان کی اور "سرنگ" میں اس شہر کی تلمیح استعمال ہوئی ہے جو مچھلی کی پشت پر آباد ہوتا ہے۔

خالدہ حسین کے افسانوں میں مذہبی حوالے بطور دانش استعمال ہوئے ہیں۔ درحقیقت انھوں نے قرآنی آیات کو موجودہ زندگی پر منطبق کر کے پیش کیا ہے۔ ان کا صوفیانہ رنگ افسانہ "ایکشن ری پلے"، "ابنِ آدم"، "سلسلہ" اور "شہسوار" میں واضح طور پر سامنے آتا ہے۔ ان کے افسانوں میں وجود کی شناخت اور پہچان نہ ہوسکنے کی وجودی اصطلاحات ملتی ہیں۔ "رہائی"، "قفل ابجد"، "کان"، "بھٹی"، "درخت" اور "تریاق" کے مرکزی کردار اسی مسلے کا شکار دکھائی دیتے ہیں۔

پس خالدہ حسین نے اپنے افسانوں میں ایمائی، اشاراتی اور علامتی انداز میں خوف دہشت اور اذیت کا شکار گھبرائے ہوئے انسان کی جذباتی کیفیات اور صنعتی معاشرے سے پیدا ہونے والی فرد کی تنہائی اور لایعنیت کے کرب کو وجودی قالب میں ڈھال کر پیش کیا ہے۔ وجودی فلسفے کی رو سے ہر انسان اپنے وجود میں آزاد ہے لہٰذا وہ آزادانہ انتخاب کا حق رکھتا ہے۔ لیکن دوسری طرف اس سارے دکھوں کی وجہ یہی آزادی ہے کیونکہ ہر انسان ایک مخصوص دائرے میں قید ہے۔ یہیں سے دو طرح کی وجودیت جنم لیتی ہے ایک کا تعلق مذہب سے جڑتا ہے اور دوسری مذہب سے دور مادیت کا انتخاب کرتی ہے۔ ڈاکٹر سلیم آغا قزلباش اس بارے میں لکھتے ہیں:

> "۔۔۔ وجودیت کے دو چہرے ہیں۔ ایک دینی دوسرا لادینی! دینی موجودیت ذات کے اندر کے اس عرفان کی طرف راغب ہے جو انسانوں کی دنیا سے الگ کوئی دیار نہیں ہے دوسرے لفظوں میں یہ دیار مادی دنیا کو عبور یا Transcend کر کے اپنے کسی ماورائی وجود کا اعلانیہ نہیں بنتا بلکہ مادے کے بطون میں موجود ہے۔ دیکھا جائے تو یہ نظریہ مشرقی تصور میں وحدت الوجودی نظریے سے مشابہ ہے اور چینی فلسفے کے تصور 'CHI' کے بھی قریب ہے۔ دوسری طرف لادینی موجودیت، انحراف یا تخریب کا فلسفہ ہے جو 'جوہر' پر 'موجود' کی فوقیت کا علم بردار ہے۔ مگر دلچسپ نکتہ یہ ہے کہ تمام تر انحراف کے باوجود یہ نظریہ بھی مآل کار ماورائیت یا 'Transcendece' کے امکان ہی کی طرف راغب نظر آتا ہے۔ اس ساری بحث کے بعد موجودیت کے بارے میں کہا جاسکتا ہے کہ ڈیکارٹ کے مقولے Cogito Ergo Sum یعنی 'I think therefore i am' میں موجودی فلسفے کی روح بند ہے۔"(۱۴)

خالدہ حسین نے اسی وجودی فکر کو اپنے افسانوں کا حصہ بنایا لیکن اس کا مذہبی رنگ ان کے تمام وجودی افسانوں میں نمایاں ہے۔ انھوں نے خارجی حقائق اور باطنی کیفیات کو بیان کرتے ہوئے انسانی نفسیات کی گرہیں کھولی ہیں۔ ان کے افسانوں میں شعور اور لاشعور کی کش مکش میں جیتے جاگتے کردار دکھائی دیتے ہیں۔ خالدہ حسین کے افسانوں میں وجود کی شناخت اور تشخص کی کھوج کا عمل تواتر سے ملتا ہے۔ ان کے افسانوں کے موضوعات حقیقی معاشرتی زندگی کے ساتھ ساتھ دیومالائی ادب، تاریخ اور لوک روایات سے اخذ کیے گئے ہیں۔ خالدہ حسین فرد کے خارجی حالات سے زیادہ اس کی داخلی کیفیات کو بیان کرنے میں دلچسپی لیتی ہیں۔ جدید دور میں فرد کی داخلی کیفیات بے یقینی اور عدم اعتماد کا شکار ہو جاتی ہیں۔ جس سے فرد خوف اور لایعنیت کا شکار ہو جاتا ہے۔ چنانچہ خالدہ حسین کے افسانوں میں زندگی سے لاتعلقی، لوگوں سے بیگانگی، فرد کی تنہائی، نفسیاتی خلفشار شناخت کا مسئلہ اور تصوف کا رجحان غالب دکھائی دیتا ہے۔ ان کے افسانے "آخری سمت"، "ایک دفعہ کا ذکر ہے"، "ڈولی"، "مصروف عورت"، "زوال پسند عورت" اور دیگر کئی افسانے عورت کے وجود کی لایعنیت، بے بسی اور خوف کو ظاہر کرتے ہیں۔

خالدہ حسین کے کردار وجود کی ماہیت اور معنویت پر غور و فکر کرتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ انتہائی معمولی اور حقیر چیزوں کو بھی گہری بصیرت سے دیکھتے پرکھتے ہیں۔ روحانی ترفع حاصل کرنا مشکل امر ہے۔ شر کو زیر کرنا اور خیر کی طرف مائل ہونا آسان نہیں۔ لیکن خالدہ حسین نے کرداروں کے پس منظر میں انسانوں کی باطنی کش مکش اور روحانی فکر کو افسانے کا حصہ بنایا ہے۔ فتح محمد ملک اس بارے میں اپنے خیالات کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں:

> "خالدہ حسین کے افسانوں کے ساتھ ہمارے زمانے میں وہ صوفیانہ اندازِ نظر نمودار ہوا ہے جو صوفیا کے ملفوظات سے اکتساب فیض پر تکیہ کرنے کی بجائے براہ راست صوفیانہ واردات سے نمو پاتا ہے۔"(۱۵)

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.3 2023

حوالہ جات وحواشی

(۱) احمد دہلوی، مولوی سید۔ مرتب؛ فرہنگ آصفیہ۔ دہلی: نیشنل اکادمی، جلد چہارم، ۱۹۷۴، ص ۵۶۷

2. *Oxford Advanced Learner's Dictionary*. London: Oxford University press,7th ed, 2008,p,814

(۳) صغیر افراہیم، ڈاکٹر۔ اردو افسانہ۔ نئی دہلی: براؤن پبلی کیشنز، ۲۰۱۸ء، ص ۲۱۷

(۴) خالدہ حسین۔ "ہزار پایہ"، مشمولہ، پہچان۔ لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۱۹۸۹ء ص ۱۰۶

(۵) خالدہ حسین۔ "تریاق"، مشمولہ، مجموعہ خالدہ حسین۔ لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۸ء، ص ۲۷۹

(۶) ایضاً، "ایک دفعہ کا ذکر ہے"، ص ۳۱۱

(۷) فتح محمد ملک۔ "خالدہ حسین کا صوفیانہ اندازِ نظر"، مشمولہ، تحسین و تردید۔ راولپنڈی: اثبات پبلی کیشنز، ۱۹۸۴، ص ۱۰۴

(۸) سہیل احمد خان، ڈاکٹر۔ طرفیں۔ لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۱۹۸۸ء، ص ۱۱۷، ۱۱۶

(۹) شمیم حنفی۔ ہم نفسوں کی بزم میں۔ دہلی: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، ۲۰۰۶، ص ۲۶۰، ۲۵۹

(۱۰) ایضاً، ص ۴۲۵

(۱۱) ایضاً، ص ۴۲۵

(۱۲) ایضاً، "فشارالدم"، مشمولہ، مجموعہ خالدہ حسین، ص ۴۷۲

(۱۳) ایضاً، ص ۴۷۲

(۱۴) سلیم آغا قزلباش، ڈاکٹر۔ جدید افسانے کے رجحانات۔ پاکستان: انجمنِ ترقی اردو، ۲۰۱۶، ص ۴۰۴

(۱۵) فتح محمد ملک۔ "خالدہ حسین کا صوفیانہ اندازِ نظر"۔ ص ۹۹